اے عشق تیرے کھیل ہیں عجیب

دُرِ ثمن بلال

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

دُرِ ثمن بلال

وہ کمالِ ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دُور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار، ایک جذبے کے کتنے اظہار ...یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصّع ہو، زیرِ نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کُن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر
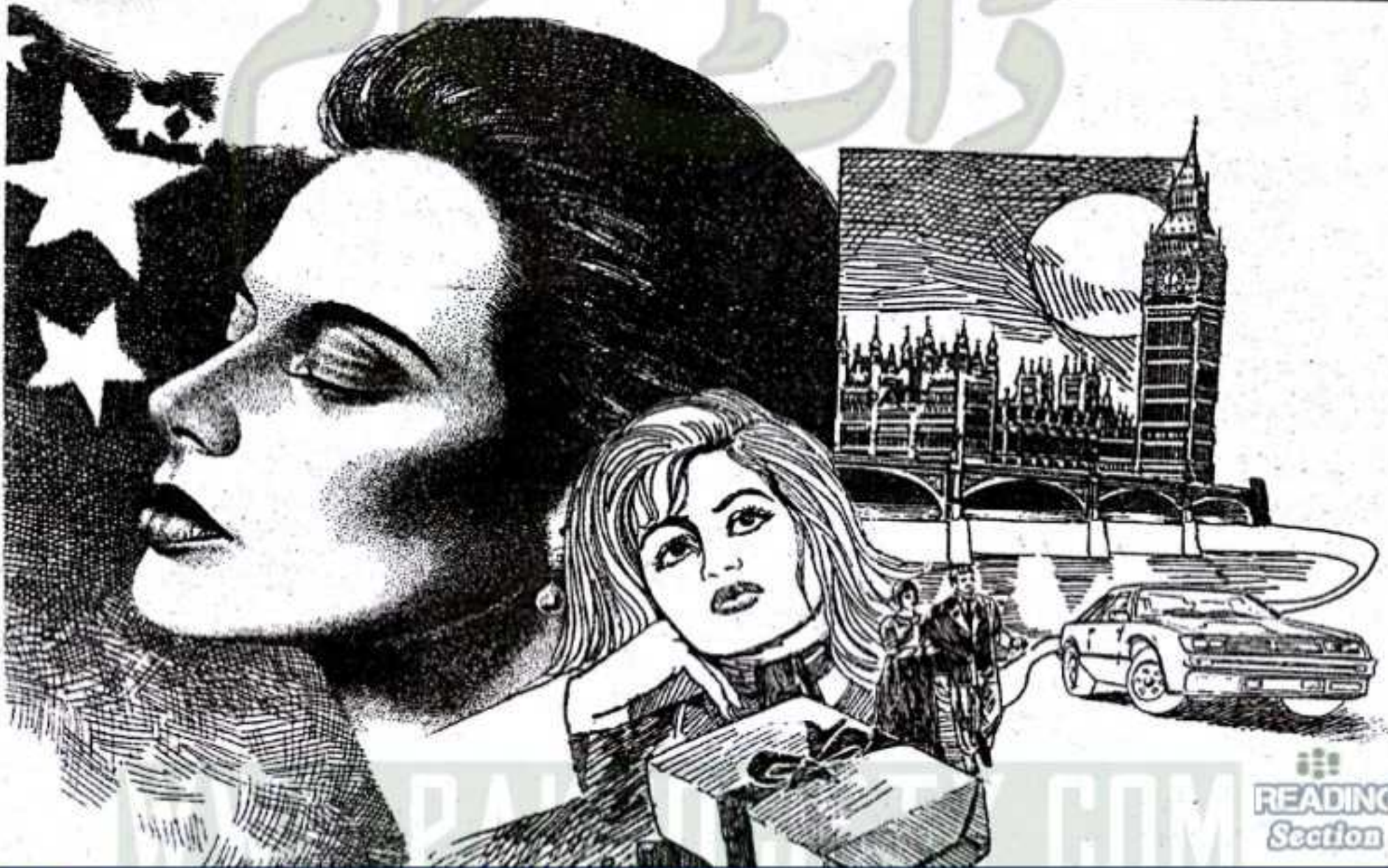
سیاہ چمکتی BMW پی سی ہوٹل کی ویلوٹ پارکنگ میں رک گئی تھی...... چند لمحوں کے بعد وہاں کھڑے باوردی ملازم نے آگے بڑھ کر BMW کی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا...... اور گاڑی سے نکلنے والے پاکستان کی textile industry پر راج کرنے والے بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس زارون چوہدری کو ادب سے جھک کر سلام کیا تھا...... زارون نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا کر اس کے سلام کا جواب دیا اور خود گاڑی کی دوسری سائڈ پر آ کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر مسکرایا۔

ایک مشہور ڈیزائنر کے قیمتی ڈیپ ریڈ سلیولیس ٹیل فراک میں ملبوس عنایہ چوہدری نے اسے اپنے لیے آز سمجھتے ہوئے ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ زارون چوہدری کو دیکھا...... اس کی آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح عنایہ کے لیے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن تھا...... عنایہ نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا تھا جسے زارون نے بڑی محبت سے تھام کر اسے گاڑی سے نکلنے میں مدد دی تھی...... پھر وہ دونوں بڑی تمکنت سے چلتے ہوئے ہوٹل کے اندر آئے جہاں کھڑے ایک مستعد ویٹر نے بڑی خوش دلی سے دونوں کو ویلکم کرتے ہوئے سیکنڈ فلور کی جانب چلنے کا اشارہ کیا...... وہ دونوں ویٹر کی معیت میں لفٹ کے ذریعے سیکنڈ فلور پر آ گئے تھے...... اس دوران بہت سے لوگوں کی نظریں اس حسین اور پرفیکٹ کپل کی جانب اٹھی تھیں...... اور پھر جھکنا بھول گئیں۔ لفٹ سے نکل کر وہ سیکنڈ فلور پر موجود ایک ہال کے سامنے رک گئے تھے۔ ویٹر نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کے لیے ہال کا دروازہ کھولا۔

زارون، عنایہ کا ہاتھ تھام کر اندر آ گیا...... ہال کا دروازہ بند ہو چکا تھا...... زارون نے حیرت سے گنگ کھڑی عنایہ کو مخاطب کیا "enjoy this event, this event is your birthday surprize"

"wow! that is very pleasent surprize I feel like living in a dream کیا کوئی شخص دنیا میں کسی سے اتنی محبت کر سکتا ہے جتنی تم مجھ سے کرتے ہو؟'' اس کی خوشی دیدنی تھی...... ہال میں back street boys کا مشہور سونگ دھیمی آواز میں as long as you love me گونج رہا تھا...... یہ عنایہ کا فیورٹ سونگ تھا۔

زارون، عنایہ کے سوال پر مسکرا دیا...... اور اس کی کمر کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے قدرے شریر لہجے میں بولا۔

''آئی تھنک! میں اس دنیا کا آخری عاشق ہوں جسے اپنی محبت سے اتنی ''محبت'' ہے۔'' ڈم لائٹس اور مختلف ریکس پر رکھی روشن کینڈلز نے ماحول کو رومینٹک اور خوابناک بنا رکھا تھا...... پورے ہال کو جا بجا سرخ گلابوں کے گلدستوں اور باسکٹس سے سجایا گیا تھا...... ہال کے فرش پر دل کی شیپ میں پھولے غبارے بھی بکھرے ہوئے پڑے تھے...... ڈم لائٹس، تازہ پھولوں کی مہک اور رومینٹک سونگ نے جیسے دونوں کے دلوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

ہال کے درمیان میں ڈنر ٹیبل کو بھی بڑے خوب صورت انداز میں سجایا گیا تھا۔ اسی اثنا میں وہی ویٹر ایک خوب صورت اور وسیع گولڈن ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا...... ٹرالی پر رکھا پانچ پاؤنڈ کا...... بلند چاکلیٹ کیک عنایہ کا فیورٹ کیک تھا۔ عنایہ اب بھی ایک ٹرانس کی کیفیت میں تھی...... ویٹر ٹرالی وہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا...... زارون نے مسکراتی نظروں سے عنایہ کو دیکھا اور اس طرح وہ اس کی کمر میں بازو ڈالے اسے سنبھالے چلتا ہوا اسے ٹرالی کی جانب لے آیا۔ زارون نے چھری اٹھا کر عنایہ کے ہاتھ میں دی اور خود اس کے عقب میں اس کے بے حد قریب کھڑے ہو کر اپنے دونوں بازوؤں کا عنایہ کے گرد حصار بناتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اس کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے دھیرے سے اس کے کان کے قریب سرگوشی کے انداز میں گنگنایا۔

"happy birthday my sweetheart I promise...

I,ll never stop loving you.......

no way! the only reason I may not one day,is not sheating or going asteay but by passing away."

زارون کی بے پایاں محبت اور پھر اس کے محبت بھرے عہد اور وعدے پر خوشی وفخر سے عنایہ کی آنکھیں جھلملا گئیں......کیک کٹ چکا تھا......عنایہ نے کیک کا ٹکڑا زارون کو کھلانے کے بعد اپنے منہ میں ڈالا......اور محبت آمیز لہجے میں بولی۔ "I am the most lucky and fortunate gril on this planet"

''اور انشاء اللہ تم ہمیشہ دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہی رہو گی۔'' زارون اس کا ہاتھ تھامے اب ڈنر ٹیبل کی طرف بڑھ گیا تھا......عنایہ اس کی پہلی اور آخری محبت تھی اس کا عشق تھی......زارون کی کزن ہونے کے ساتھ، ساتھ وہ اس کی منگیتر بھی تھی جسے چند مہینوں کے بعد اس کی بیوی بن کر زارون کی زندگی کو خوشیوں کے ایک نئے سفر پر گامزن کرنا تھا......اس رات عنایہ کی زندگی کا وہ خوب صورت ترین سرپرائز تھا اور کینڈل لائٹ ڈنر عنایہ کی زندگی کے یادگار لمحات میں سے ایک تھا۔

☆☆☆

''السلام علیکم......! نانو کیسی ہیں آپ؟'' ڈاکٹر عمر موبائل کان سے لگائے اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف بڑھے۔

''وعلیکم السلام میرے بچے، جیتے رہو......'' نور بیگم اپنے کمرے میں بیڈ سے ٹیک لگائے نیم دراز تھیں......اور انہوں نے موبائل کان سے لگا رکھا تھا گو کہ وہ موبائل کے استعمال سے قطعی ناواقف تھیں مگر یہ فریضہ یعنی کسی کو کال کرنا یا کسی کی کال ریسیور کرنا......نور بیگم کی ذاتی ملازمہ پروین عرف پینو ہی سرانجام دیا کرتی تھی جسے خاص طور پر صرف نور بیگم کی دیکھ بھال کے لیے ہی رکھا گیا تھا۔

''بس میرے بچے اس نامراد بڑھاپے میں اب تو بیماریوں نے ہی گھیرنا ہے اور وہ گھیر رہی ہیں، بس ایک دن اسی طرح زندگی کے دن پورے، ہو جائیں گے۔'' وہ افسردہ ہوئیں۔

''ارے نانو، یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ...... اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو...... مجھے بتائیں کیا پرابلم ہے، کیوں پریشان ہیں آپ؟'' ڈاکٹر عمر فکرمندی سے پوچھنے لگے۔

''بس میرے بچے! آج صبح سے ہی میری طبیعت بہت خراب ہے، آج تو فجر کی نماز بھی بڑی مشکل سے پڑھ سکی ہوں......سر میں شدید درد ہے دماغ جیسے کسی نے جکڑ رکھا ہو......ابھی ایشو نے میرا بلڈ پریشر چیک کیا تو کہنے لگی کہ لو ہے مگر عمر میرا بلڈ پریشر تو ہمیشہ ہائی ہوتا ہے۔ بہر حال اس نے مجھے دوا دی تھی کہہ رہی تھی دوا کھالیں۔''

''نانو آپ نے وہ دوا کھائی تو نہیں؟'' ڈاکٹر عمر نے عجلت میں پوچھا۔

''نہیں عمر، میں نے وہ دوا نہیں کھائی...... میں نے سوچا تم سے پوچھ کر ہی کھاؤں گی۔''

''اچھا کیا نانو......آپ نے نہیں کھائی۔ میں ابھی آ کر آپ کا بی پی چیک کرتا ہوں۔''

''ہاں میرے بچے اسی بہانے مجھ سے آ کر مل جاؤ...... ہفتے بعد تو کہیں تم نظر آتے ہو، دو گھڑی کے لیے......'' نور بیگم کے لہجے میں شکوہ تھا۔

ڈاکٹر عمر مسکرا دیے۔

''نانو آپ کو تو پتا ہے میرا پورا ہفتہ کس قدر مصروفیت میں گزرتا ہے۔''

''ایک تو اسپتال والوں نے بھی پورے اسپتال کی ذمے داری جیسے تم پر ہی ڈال رکھی ہے۔ اس شہر میں بھلا ڈاکٹرز ختم ہو گئے ہیں...... ہم تو تمہاری شکل دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔''

نور بیگم کی خفگی پر ڈاکٹر عمر ہنس دیے۔

''نانو، انسان کے پاس جتنا بڑا عہدہ ہو اس کو محنت بھی اتنی ہی زیادہ کرنی پڑتی ہے اور اس کی ذمے داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں اور ویسے بھی ہم ڈاکٹرز کی زندگی بھی فوجیوں کی طرح ہی گزرتی ہے۔''

ڈاکٹر عمر کی وضاحت پر وہ مسکرا دیں۔

''جانتی ہوں میں کہ تم اس شہر کے سب سے بڑے اسپتال کے چلڈرن وارڈ اور پھر نومولود بچوں کی نرسری کے انچارج ہو۔ اللہ تجھے اور زیادہ ترقیاں عطا کرے میرے بچے...... یہ بتا میری ساجدہ کیسی ہے؟''

''الحمدللہ نانو...... مما بالکل ٹھیک ہیں، پچھلے دنوں ان کی شوگر تھوڑی ہائی ہو گئی تھی لیکن اب ان کی شوگر نارمل ہے......'' وہ ماں کی خیریت بتانے لگے۔

''اللہ میری ساجدہ کو اور میرے داؤد کو ہمیشہ صحت و تندرستی کے ساتھ لمبی زندگی دے...... میرے بچوں کو اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔''

''الٰہی آمین نانو...... یقیناً آج جو ہم سب ایک کامیاب اور خوش حال زندگی گزار رہے ہیں، وہ آپ کی دعاؤں کا ہی ثمر ہے۔'' وہ نہایت تابعداری سے بول رہے تھے۔

''جیتے رہو میرے بچو...... تم سب میری عزت اور احترام کرتے ہو تو مجھ بوڑھی جان کا دل بھی خوش رہتا ہے۔ ہاں بس ساجدہ سے کہنا آ کر مجھے مل جائے کافی دن ہو گئے ہیں اس نے یہاں چکر نہیں لگایا۔'' نانو بھی وارفتگی کا اظہار کیے جا رہی تھیں۔

''جی نانو، میں مما کو آپ کا پیغام دے دوں گا۔''

''اور ہاں یہ تو بتا میری مناب کیسی ہے؟'' نور بیگم کو جیسے کچھ یاد آ گیا تھا۔

''نانو، مناب بھی ٹھیک ہے، رات کو لندن سے اس کی کال آئی تھی۔ آپ سب کا بہت پوچھ رہی تھی۔''

''اچھا...... تو کب تک واپس آ رہی ہے میری بچی......'' نور بیگم کے لہجے میں خوشی تھی مناب کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

''انشاءاللہ نانو اگلے مہینے اس کا کورس ختم ہو جائے گا۔''

''چلو شکر ہے میری مناب واپس آ جائے گی اگلے مہینے۔'' نور بیگم بچوں جیسے انداز میں بولیں تو ڈاکٹر عمر مسکرا دیے۔

''او کے نانو، میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں' چائے آپ کے ساتھ ہی پیوں گا، میں اب فون رکھتا ہوں۔ اللہ حافظ نانو!''

''اچھا میرے بچے...... اللہ کے حوالے......''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

''لے پپو اسے بھی اب بند کر دے۔'' نور بیگم نے موبائل پپو کی طرف بڑھایا۔

''وڈی اماں یہ خود ہی بند ہو جاتا ہے جب اگلا بندہ فون بند کرتا ہے تو۔'' پپو نے ان کے ہاتھ سے فون لے کر سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ان کی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کی۔

''اچھا بھئی ہو جاتا ہوگا... تم ذرا میرے پاس بیٹھو اور میرا سر دباؤ صبح سے درد ہو رہا ہے۔'' نور بیگم بیڈ پر لیٹتے

ہوئے بولیں۔

''اچھا وڈی اماں میں دبا دیتی ہوں......'' پینو ان کے پاس بیٹھ کر ان کا سر دبانے لگی۔

''وڈی اماں آپ صبح سے سر کی پیڑ (درد) برداشت کر رہی ہیں، آپ اپنی بلڈ پریشر کی دوائی کیوں نہیں کھا لیتیں؟''

''دادی کیا کھاؤں پینو، مجھے تو یہ ہی نہیں پتا کہ میرا بلڈ پریشر اس وقت ہائی ہے یا لو...... ایشال کہہ رہی تھی کہ لو ہے مگر میرا ہائی ہوتا ہے ہمیشہ......''

''آپ عمر صاحب کو بلالیں وڈی اماں......'' پینو نے ان کا سر دباتے ہوئے مشورہ دیا...... ''وہ زیادہ وڈے ڈاکٹر ہیں۔''

''آ رہا ہے عمر......'' نور بیگم نے آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

نور منزل میں نہایت شفیق اور سادہ دل سی بیوہ بزرگ خاتون نور بیگم اپنے بڑے بیٹے داؤد چوہدری، بہو سمیرا اور اپنے پوتے، پوتیوں کے ساتھ خوشحال اور خوشگوار زندگی گزار رہی تھیں...... داؤد چوہدری کئی انڈسٹریز کے مالک تھے۔ ٹیکسٹائل کی دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا...... داؤد چوہدری کے دو ہی بیٹے تھے زارون اور اقصم۔ زارون نے داؤد چوہدری کے بزنس کو اپنی ذہانت، قابلیت اور محنت سے ایک اور ایک، دو کے بجائے گیارہ بنا دیا تھا...... یہی وجہ تھی کہ ان کی ٹیکسٹائل مل کا کپڑا نہ صرف پورے ملک میں بلکہ بیرون ملک بھی ایکسپورٹ کیا جاتا تھا۔ داؤد چوہدری کا چھوٹا بیٹا اقصم آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا تھا۔

نور بیگم کا چھوٹا بیٹا اور بہو دس سال قبل ایک روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئے تھے جبکہ ان کی دو بیٹیاں دادی کے پاس ہی رکنے کی وجہ سے بچ گئی تھیں۔ بڑی کا نام عنایہ تھا، عنایہ ایک نہایت خوب صورت اور ذہین لڑکی تھی۔ وہ ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ عنایہ کی منگنی نور منزل کے تمام بڑوں کی رضامندی سے زارون کے ساتھ طے ہو چکی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو بے پناہ چاہتے تھے۔ خاندان بھر میں ان دونوں کو لو برڈز اور چاند سورج کی جوڑی قرار دیا جاتا تھا۔ عنایہ سے چھوٹی ایشال تھی جو ایک غیر سنجیدہ...... شوخ و چنچل لڑکی تھی...... ایشال نے اپنے مرحوم والدین کی خواہش پوری کرتے ہوئے ایم بی بی ایس تو کرلیا تھا مگر میڈیکل میں اس کی دلچسپی اب بھی نہ ہونے کے برابر تھی کیونکہ فائن آرٹس میں ماسٹرز کرنا اس کا کریز تھا...... مگر اس کا یہ کریز...... اس کے مرحوم والدین کی خواہش کی بھینٹ چڑھ گیا...... نان سیریس اور نٹ کھٹ سی ایشال گھر بھر کی لاڈلی تھی...... عنایہ اور ایشال کو ان کے تایا داؤد چوہدری اور تائی سمیرا بیگم نے بڑی محبت اور چاہت سے پالا تھا۔ نور بیگم کی اکلوتی بیٹی ساجدہ بیگم وہیں ڈیفنس میں نور منزل کے قریب ہی رہائش پزیر تھیں۔ ان کے خاوند کا انتقال ہو چکا تھا جو پی ایف میں میڈیکل کور میں ونگ کمانڈر کے عہدے پر فائز تھے۔

ساجدہ بیگم کے دو ہی بچے تھے بڑا بیٹا عمر جو ایک قابل consultant paediatrician تھا۔ عمر سے چھوٹی مناب تھی جو انگریزی میں ماسٹرز کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے آکسفورڈ یونیورسٹی میں مقیم تھی۔

☆☆☆

''شدید گرمی، حبس اور اوپر سے لوڈ شیڈنگ نے تو برا حال کر رکھا ہے۔'' سیما بیگم ہاتھ میں کھجور کے پتوں کا پنکھا پکڑے...... صحن میں لگے سکھ چین کے درخت تلے چارپائی بچھاتے ہوئے بڑبڑائیں...... قریب ہی سارہ چوکی

پر بیٹھی تھی...... سارہ نے آسٹریلین طوطے پال رکھے تھے۔ وہ انہیں پنجرے میں باجرہ ڈال رہی تھی۔

''اماں باجرہ ختم ہوگیا ہے، کل گلو سے منگوا دینا۔''

سیما بیگم کو تو جیسے سارہ کی بات سنتے ہی پتنگے لگ گئے۔ جب ہی چارپائی پر بیٹھی خود کو پنکھا جھلتے ہوئے دہاڑیں۔

''تو میں کیا کروں......؟ کہاں سے منگوا کر دوں تجھے، تیرے طوطوں کے لیے باجرہ...... اندر تیرا باپ بیٹھا ہے اسے جا کر بتا...... میری یہاں کون سی ملیں چل رہی ہیں۔ اور ویسے بھی ہمیں یہاں بھوک کے لالے پڑے ہیں اور تجھے اپنے طوطوں کی پڑی ہے۔ آج میں نے احمر کو بلایا ہے شام کو وہ آئے گا اور ان تیرے طوطوں کو بیچ آئے گا...... تب ہی ہمیں رات کو کچھ کھانا نصیب ہوگا۔'' ان کی بے وقت کی تقریر سن کر سارہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

''مگر اماں میں نے تو انہیں بڑے شوق سے پالا ہے میں کیسے انہیں بیچ دوں؟''

''کتنی بار تجھے سمجھایا ہے یہ شوق صرف امیر اور پیسے والے لوگ ہی پال سکتے ہیں، ہم جیسے غریب لوگوں کا تو صرف پیٹ کا دوزخ بھر جائے وہی غنیمت ہے۔ تیرے باپ نے تو ہمارے لیے کچھ کیا نہیں اب زندگی کے دن تو گزارنے ہیں ناں ہمیں......'' ان کا غصہ برقرار تھا۔

''سیما، کیوں ہر وقت میرے بچوں کو غربت کے طعنے دیتی ہو...... کیوں انہیں ہر وقت احساس دلاتی ہو کہ میں ایک ناکارہ شخص ہوں، میں نے ان کے لیے کچھ نہیں کیا...... کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ میں نے انہیں رزقِ حلال کی کمائی سے پالا ہے۔ بس میرا دل مطمئن ہے اور بے شک دل کا سکون رزقِ حلال سے ہی ملتا ہے۔'' نحیف و کمزور سے شاکر حسین اپنے کمرے سے نکل کر صحن میں چلے آئے تھے ان کے لہجے میں شکوہ تھا...... افسوس تھا۔

''بس کردیں شاکر صاحب! پیٹ میں روٹی نہ ہو تو میں نے دل کے سکون کو کیا کرنا ہے...... اب میری زبان مت کھلوائیں...... یہ جو آج ہماری زندگی ''عذاب'' بنی ہوئی ہے ناں اس کے ذمے دار بھی آپ ہی ہیں...... ساری زندگی ایمانداری، شرافت اور رزقِ حلال کا درس دے کر آپ نے کون سا سکھ دے دیا ہمیں......؟ آج آپ کے ساتھ نوکری کرنے والے معمولی کلرک کہاں سے کہاں جا پہنچے...... اور میں چار بچوں کے ساتھ آپ کی ایمانداری کی بھینٹ چڑھ کر اس ڈھائی مرلے کے خستہ حال مکان میں غربت کی چکی میں پس رہی ہوں۔''

سیما بیگم ہمیشہ کی طرح بولنے پر آتیں تو سارے حساب کتاب برابر کر کے ہی چھوڑتیں۔ شاکر حسین شکست خوردہ سے چارپائی کے قریب رکھے موڑھے پر بیٹھ گئے تھے...... ان کے پاس بیگم کی باتوں کے جیسے جواب ہی ختم ہوگئے تھے۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہتی تھیں، ان کی شرافت بھری زندگی نے انہیں دیا ہی کیا تھا؟ شاکر حسین نے خاموشی سے اپنی جیب سے تین سو روپے نکالے اور سیما بیگم کی طرف بڑھائے۔

''یہ تھوڑے سے پیسے میں نے اپنی دوا کے لیے رکھے تھے۔ انہیں رکھ لو اور رات کے لیے کچھ بنالو...... سارہ کے طوطے بیچنے کی ضرورت نہیں......'' سیما بیگم منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے شاکر حسین کے ہاتھ سے تین سو جھپٹ چکی تھیں...... اسی اثنا میں گھر کا دروازہ بجا تھا۔

سارہ نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

''السلام علیکم......'' زویا نے اندر آ کر سب کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام......'' سارہ اور شاکر حسین نے اس کے سلام کا ایک ساتھ جواب دیا جبکہ سیما بیگم کا موڈ ہنوز خراب ہی تھا۔

''سارہ، لائٹ نہیں ہے کیا......؟'' زویا دوپٹے سے اپنا پسینہ خشک کرتی درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''لائٹ تو پچھلے تین گھنٹے سے نہیں ہے آپی۔'' سارہ نے بہن کو اطلاع دی۔

''اُف اس گرمی، لوڈشیڈنگ اور مہنگائی نے تو ہم جیسے طبقے کی زندگی عذاب بنا رکھی ہے......اس ملک کا کوئی اور ادارہ وقت کی پابندی کرے نہ کرے واپڈا والے لائٹ بند کرنے میں ایک لمحہ تاخیر نہیں کرتے۔'' زویا شدید گرمی میں تپ کر آئی تھی اسی لیے مزاج بھی تپا ہوا تھا۔

سارہ نے اسے کولر سے ٹھنڈا پانی لا کر دیا...... جسے زویا نے ایک ہی سانس میں پی لیا۔

''یہ عذاب صرف ہم جیسوں کے لیے ہیں......محلوں جیسے گھروں میں ہر وقت اے سی میں ٹھاٹھ باٹھ سے رہنے والوں کو کیا پتا کہ گرمی کیا ہوتی ہے......لوڈشیڈنگ کسے کہتے ہیں......مہنگائی کا بھوت کتنا بدصورت اور خوفناک ہوتا ہے...... یہ حقیقتیں تو صرف ہمارے طبقے کے لیے ہیں......کڑھ، کڑھ کر مرنے کے لیے تو صرف ہم لوگوں کو اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔'' سیما بیگم ایک بار پھر شروع ہو گئی تھیں۔

''اماں بس بھی کر دیں...... ہر وقت کی ناشکری کوئی اچھی بات تھوڑی ہے......میں نے تو بس ایسے ہی ایک بات کہی تھی۔'' زویا نے خالی گلاس سارہ کی طرف بڑھایا۔

''ابا آپ بتائیں کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' زویا نے ٹاپک بدلتے ہوئے باپ سے حال پوچھا۔

انہوں نے ایک گہری سانس لی اور دھیرے سے بولے۔

''بس بیٹا، میرے ٹھیک ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اب تو زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں...... جوں، جوں موت کا وقت قریب آ رہا ہے یہ احساس روز بروز بڑھتا جا رہا ہے کہ میں اپنے بچوں کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔'' بیمار اور ضعیف باپ کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

''ارے ابا یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ آپ کی شرافت اور ایمانداری تو ہمارے لیے فخر ہے۔'' زویا نے باپ کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر زویا کی یہ کوشش سیما بیگم کو ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

''ہاں جی، کیا بات ہے ان کی...... بڑے معرکے مارے ہیں تمہارے باپ نے......زارا کو کس طرح چار جوڑوں میں بیاہا تھا میں نے، یہ صرف میں ہی جانتی ہوں......اب تمہاری اور سارہ کی شادی کے لیے ایک پائی نہیں ہے تمہارے باپ کے پاس......تم ایک معمولی انگلش میڈیم اسکول میں ٹیچر ہو......تمہاری مہینے بھر کی تنخواہ بہ مشکل چار، پانچ ہزار ہے۔ سارہ بھی محلے کے بچوں کو ٹیوشنز پڑھا کر صرف تین چار ہزار ہی کما پاتی ہے......تمہارے باپ کی معمولی پنشن اور تم دونوں بہنوں کی کمائی سے گھر نہیں چلتا......رہی سہی کسر تمہارا وہ نکما اور نکھٹو بہنوئی ہر دوسرے، تیسرے مہینے تین بچیوں کے ساتھ تمہاری بہن کو یہاں بھیج کر پوری کر دیتا ہے کہ جا ماں، باپ کے گھر سے خرچہ پانی لے کر آ......میرا کاروبار مندہ چل رہا ہے۔''

''سیما بیگم! اس سارے قصے میں اپنے قابل اور ذہین وفطین بیٹے کا بھی تو ذکر کرو ناں...... جسے تم نے اپنے بے جا لاڈ پیار کی بدولت بگاڑ کر نکما اور ناکارہ بنا رکھا ہے......'' شاکر حسین کو بھی غصہ آ چکا تھا۔

''بس شاکر صاحب میرے گلو کا نام مت لینا...... میٹرک کے بعد آپ اسے اس کے پسندیدہ کالج میں داخلہ تک نہ دلوا سکے...... بات کرتے ہیں میرے گلو کی...... ہونہہ......'' انہوں نے نہایت برا منہ بنا کر کہا۔

''ہاں، یہ بھی میرا ہی قصور ہے تمہارا انوکھا لاڈلا......شہر کے جس کالج میں داخلے کی فرمائشیں کر رہا تھا وہاں کی

ایڈمیشن فیس پچاس ہزار تھی...... کہاں سے لے کر آتا میں اتنی بڑی رقم......؟ کتنی بار میں نے اسے سمجھایا تھا کہ گورنمنٹ کالج میں داخل ہو جائے...... مگر نہیں، وہ بھی تمہاری ہی کاپی ہے...... بجائے میری بات سمجھنے کے نواب صاحب نے تعلیم کو ہی خیر باد کہہ دیا۔'' وہ کافی غصے میں آ چکے تھے۔'' سیما بیگم جو لوگ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں نہیں پھیلاتے وہ ہمیشہ پریشان ہی رہتے ہیں، بے سکون ہی رہتے ہیں، سمجھیں تم......اور تمہیں معلوم ہے گلو محلے کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، سارا دن محلے کے بدنام آدمی شیدے کی بیٹھک میں بیٹھ کر تاش کھیلتا ہے، اللہ نے جہاں مجھے تین بیٹیوں کے ساتھ یہ بیٹا دیا تھا، اس کے بجائے مجھے چوتھی بیٹی ہی دے دیتا تو آج یہ دکھ تو نہ ہوتا مجھے جو گلو کی حرکتوں سے روز ملتا ہے۔''

''بیٹیوں کا اچار ڈالنا تھا آپ نے......؟ تین کی ذمے داری اٹھائی نہیں جاتی اور چوتھی کے نہ ہونے پر افسوس کر رہے ہیں؟'' سیما بیگم نے تڑخ کر جواب دیا۔

''اماں خدا کے لیے بس کر دیں۔ ابا کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' سارہ نے ماں کے آگے ہاتھ جوڑے۔

''تم تینوں تو ہو ہی باپ کی چمچی...... میں اور میرا بیٹا تو تم باپ بہنوں کو زہر لگتے ہیں ناں......''

''اماں خدا کے لیے ایسا مت سوچا کریں، آپ ہمیشہ بات کو غلط رنگ دے دیتی ہیں۔'' زویا کو بھی ان کی زبان درازی پسند نہیں تھی۔

''ہاں، میں ہی غلط ہوں، میرا بیٹا بھی غلط ہے۔ تم باپ بیٹیاں ہی قابل ہو ناں......'' سیما بیگم غصے میں بڑبڑاتے ہوئے چارپائی سے اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

''یہ عورت ایک دن مجھے پاگل کر دے گی۔'' شاکر حسین نے سر تھام لیا تھا...... ان کی شوگر ہائی ہو رہی تھی یا لو...... یہ بھی وہ نہیں جانتے تھے۔ لگ رہا تھا ان کے جسم سے جیسے کوئی جان نکالے دے رہا ہو۔ زویا اور سارہ کے اندر ایک سناٹا سا چھا گیا تھا۔ ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ فکر کی بات یہ تھی کہ ایسا ہر روز ہوتا تھا۔

☆☆☆

لندن میں آج صبح سے ہی موسم کے تیور ٹھیک نہیں تھے۔ سیاہ بادلوں نے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ گزشتہ کئی دنوں سے چمکتی صاف ستھری دھوپ کے بعد رات سے ہی موسم ابر آلود ہو گیا تھا۔ مناب کلاس لے کر باہر نکلی تو فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی، مناب نے اوور کوٹ کے بٹن بند کرنے کے بعد سر کو گرم ٹوپی سے ڈھانپ لیا تھا اس کے کندھے پر شولڈر بیگ تھا اور ہاتھوں میں ایک فائل پکڑ رکھی تھی' موسم کے تیور دیکھ کر وہ تیز، تیز چلتی ہوئی یونیورسٹی کے مین گیٹ سے نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگی تھی۔ آج اسے ٹیکسی لینی تھی جو جلد ہی مل گئی۔ ڈرائیور کو اپنا مطلوبہ ایڈریس سمجھانے کے بعد وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئی تھی' اندر بیٹھتے ہی اس نے اپنے کوٹ کی سائڈ پاکٹ سے اپنا موبائل اور ہینڈ فری نکالا۔ موبائل کو سائلنٹ سے ساؤنڈ پر لگانے کے بعد اس نے ہینڈ فری کانوں میں لگایا۔ کلاس کے دوران وہ اپنا موبائل سائلنٹ پر لگا دیا کرتی تھی۔ موبائل کی اسکرین پر ولی کی چار مسڈ کالز دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرا دی...... اس نے جلدی سے what,s app کھولا...... وہاں ولی کا voice message آیا ہوا تھا۔

مناب نے click کیا اور ولی کی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

''hi sweet--heart تم جب بھی فارغ ہو مجھ سے رابطہ کرو...... ہو سکے تو اپنے فلیٹ پہنچتے ہی اسکائپ پر on line ہو جاؤ، آج تمہیں دیکھے ہوئے دو دن اور پانچ گھنٹے ہو چکے ہیں اور یہ میرے صبر کو آزمانے کے لیے بہت ہیں۔

because...

for every day I miss you
for every hour,I need you
for every minute ,I feel you
for every second I want you
forever I love you!"

ولی کے اظہار اور اس کی محبت پر مناب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ اس نے جواباً اسے میسج ٹائپ کرنے کے بعد سینڈ کیا اور موبائل واپس اپنے کوٹ کی پاکٹ میں ڈال لیا...... ٹیکسی ڈرائیور نے اس کی مطلوبہ بلڈنگ کے سامنے گاڑی روک دی تھی...... مناب نے اسے کرایہ دیا اور بلڈنگ کی جانب بڑھ گئی۔ اس کا فلیٹ سیکنڈ فلور پر تھا جو وہ عنایہ کی ایک پاکستانی فرینڈ فاریہ کے ساتھ مل کر شیئر کرتی تھی۔ فاریہ پاکستان سے لندن فیشن ڈیزائننگ کے کچھ کورسز کرنے آئی تھی۔

مناب نے کوٹ کی پاکٹ سے فلیٹ کی چابی نکالی اور لاک کھول کر اندر آ گئی۔ فاریہ کچن میں کافی بنا رہی تھی۔ "hi how are you" مناب نے اوورکوٹ اتار کر ہینگ ہک میں لٹکایا۔ اپنے لانگ شوز اتارتے ہوئے مسکرا کر فاریہ کی خیریت دریافت کرنے لگی تو فاریہ کافی کے دو مگ اٹھائے کچن سے روم میں ہی آ گئی۔

"fine sweetheart" فاریہ نے مگ ٹیبل پر رکھے اور خود کشن گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ مناب بھی اس کے پاس ہی دوسرا کشن گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

''تھینکس یار......'' مناب نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے فاریہ کو ممنون نگاہوں سے دیکھا۔

''no thanks مجھے پتا تھا تمہیں آتے ہی کافی کی ضرورت ہوگی۔'' فاریہ نے کافی کے سپ لیتے ہوئے ٹی وی آن کیا...... اس دوران دونوں کافی پیتے ہوئے اور ٹی وی دیکھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ میں مصروف رہیں...... جب کافی ختم ہوئی تو فاریہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو بھئی، میری تو کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے......'' فاریہ نے قریب ہی صوفے پر رکھی اپنی جیکٹ اٹھائی۔

''آج موسم ٹھیک نہیں ہے، یاد سے اپنے ساتھ چھتری لے جانا......'' مناب نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں لے جاؤں گی۔ اب تو لندن کے موسم کی عادی ہو گئی ہوں سب کچھ ہی ساتھ رکھنا پڑتا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ واپسی پر کھانے کے لیے کچھ لے آؤں......؟'' فاریہ جیکٹ پہننے کے بعد جرابیں پہن رہی تھی جب اس نے مناب سے پوچھا تھا۔

''نہیں کچھ نہیں چاہیے...... کل جو پاستا اور گرین چکن میں نے بنایا تھا وہ ابھی رکھا ہے آج رات کو اسی سے گزارہ ہو جائے گا۔'' مناب نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کرتے ہوئے فاریہ کو بتایا۔

''او کے پھر میں براؤن بریڈ لے آؤں گی...... وہ ختم ہو گئی ہے۔'' فاریہ گلے میں مفلر لپیٹتے ہوئے...... مناب کو خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تھی۔ فاریہ اور مناب کے پاس کمرے کی الگ، الگ چابیاں تھیں کیونکہ ان کی کلاسز کی ٹائمنگ بھی الگ تھی اور جاب کی بھی...... دونوں پڑھائی کے ساتھ، ساتھ پارٹ ٹائم جاب بھی کر رہی تھیں اور اگرچہ allowed نہیں ہوتا مگر کچھ jobs وہ کر سکتی تھیں۔ فاریہ کے جانے کے بعد مناب نے اپنا لیپ ٹاپ نکالا اور اسکائپ پر on line ہوئی تو ولی پہلے سے on line شو نظر آیا مناب نے مسکراتے ہوئے ولی کو وڈیو کال کی...... دوسری طرف کال فوراً ایکسیپٹ کر لی گئی۔

''تھینکس گاڈ تمہاری شکل تو دیکھنا نصیب ہوئی مجھے...... ورنہ تم تو مجھے بھلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی ہو۔''

ولی نے اسے دیکھتے ہی شکوہ کیا۔
''تو یہ ہے ولی، تم بھی کبھی کبھی بالکل بچوں کی طرح بی ہیو کرتے ہو..... سلام نہ دعا نہ میرا حال پوچھا اور شروع ہو گئے شکوے کرنے.....'' مناب مسکرائی۔
''ہاں تو جب میری fiance مجھے اگنور کرے گی تو میں شکوے ہی کروں گا ناں.....''
''ولی میں نے تمہیں کبھی اگنور نہیں کیا اور نہ میں تمہیں کبھی اگنور کر سکتی ہوں اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ میری زندگی میں تمہاری کیا ویلیو ہے۔'' مناب کی بات پر اب وہ شریر انداز میں مسکرانے لگا۔
''آئی نو یار..... بس ایویں تمہیں چھیڑتا ہوں..... تمہیں تنگ کرنے میں مزہ جو آتا ہے۔'' ولی سر کھجاتے ہوئے ہنس دیا۔
''ولی تم بہت خراب ہو، ہمیشہ میری محبت کا فائدہ اٹھاتے ہو۔'' مناب نے مصنوعی خفگی دکھائی۔
''فائدہ.....؟'' اس نے زیرِ لب دُہرایا..... ''بائے داوے کیا فائدہ اٹھایا ہے۔ میں نے تمہاری محبت کا.....؟ اتنی دور ہو مجھ سے..... ہفتے میں صرف دو دن یوں اسکائپ پر دستیاب ہوتی ہو..... اب ایسے میں بھلا کیا فائدہ اٹھاؤں گا میں۔'' ولی اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔
''ولی تم امریکا جا کر کتنے بے شرم ہو گئے ہو۔'' مناب اس کے انداز پر، اس کی بات پر بلش ہو گئی تھی۔
''بے شرم..... ہاہاہا.....'' ولی نے قہقہہ لگایا۔
''ولی.....'' مناب نے غصے میں اسے آنکھیں دکھائیں..... مگر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مچل رہی تھی۔
''تمہیں پتا ہے تمہارے منہ سے مجھے اپنا نام سننا بہت اچھا لگتا ہے۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔
"same to you wali" مناب نے دھیرے سے جواب دیا۔
''مناب تمہیں پتا ہے یہاں امریکا جیسے ملک میں اتنی فاسٹ لائف گزارتے ہوئے ایک لمحے کے لیے بھی تم میرے دل و دماغ سے نہیں ہٹتی ہو..... بس ہر وقت خود سے یہی سوال کرتا رہتا ہوں..... تم میرے پاس ہوتی تو کیسا ہوتا..... تم میرے ساتھ ہوتیں تو ایسا ہوتا.....''
''ولی قسم سے یار..... تم مجھے کہیں سے ڈاکٹر نہیں لگتے۔'' مناب نے اسے چھیڑا۔
''ڈاکٹر کیا انسان نہیں ہوتے؟ کیا ان کی فیلنگز نہیں ہوتیں؟''
''ہوتی ہوں گی مگر تم جیسا رومینٹک ڈاکٹر میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔'' مناب کی بات اور اس کے انداز پر ولی نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔
''اس میں بھی سارا قصور تمہارا ہے۔''
''میرا.....! وہ کیسے؟'' وہ حیران ہوئی۔
''بھئی جس مرد کی فیانسی اتنی خوب صورت اتنی لوونگ، کیئرنگ اور ٹیلنٹڈ ہو گی تو کون کافر رومانس جھاڑنے کا موقع ہاتھ سے جانے دے گا۔''
''مائے گاڈ اب اتنی بھی اسپیشل نہیں ہوں میں..... خواہ مخواہ میری تعریفیں کرتے رہتے ہو تم۔'' مناب نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔
''خواہ مخواہ.....؟ ویسے تم واقعی بڑی عجیب لڑکی ہو..... لڑکیاں اپنی تعریف پر خوش ہوتی ہیں اور تم خفا ہوتی ہو..... سلی گرل کبھی خود کو میری نظروں سے دیکھو تو تمہیں اندازہ ہو کہ تم کتنی اسپیشل ہو.....'' ولی کے آنچ دیتے لہجے پر وہ ایسے ہی بلش ہو جایا کرتی تھی..... اسی اثنا میں مناب کے موبائل کی بیپ سنائی دی..... اس نے قریب رکھا

موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا۔

''کس کی کال آرہی ہے؟''

''پاکستان سے ہے سمیرا ممانی کی۔''

''اوکے، تم کال پک کرو...... میں اپنے لیے کافی بنا کر ابھی آیا۔'' مناب موبائل ہاتھ میں لیے کچن میں آ گئی۔

''جی السلام علیکم ممانی۔''

''وعلیکم السلام...... جیتی رہو بیٹا...... کیسی ہو؟''

''اللہ کا شکر ہے ممانی آئی ایم فائن...... پاکستان میں تو سب ٹھیک ہیں ناں......؟'' مناب کے لہجے میں فکر تھی۔

''ہاں بیٹا یہاں تو سب ٹھیک ہیں مگر وہاں اقصم...... وہ ٹھیک نہیں ہے۔'' سمیرا بیگم کے لہجے میں پریشانی اور تشویش تھی۔

''کیا ہوا چھوٹو کو......؟'' اب کے مناب کے لہجے میں بھی تشویش تھی۔

''اقصم کے دوست جنید کی کال آئی تھی۔ وہ بتا رہا تھا کہ اقصم شدید بخار میں مبتلا ہے۔ بخار کی شدت کی وجہ سے وہ بول تک نہیں پا رہا...... بیٹا اگر تمہارے لیے ممکن ہو تو پلیز تم جا کر اقصم کو دیکھ لو...... پتا نہیں وہ کتنا بیمار ہے...... چار دن سے میری اس سے بات بھی نہیں ہوئی...... جب سے جنید نے مجھے اقصم کی بیماری کا بتایا ہے میں پریشان ہو گئی ہوں...... مناب بیٹا پلیز اسے میری درخواست سمجھ لو اور اقصم کے پاس چلی جاؤ...... جا کر اسے دیکھو اگر وہ زیادہ بیمار ہوا تو میں فوری طور پر انگلینڈ آ جاؤں گی۔'' سمیرا بیگم کے لہجے میں تڑپ تھی، بے چینی تھی اور وہ مناب سے التجا کر رہی تھیں۔

''ارے ممانی، آپ مجھ سے ایسے کیوں کہہ رہی ہیں...... آپ مجھے حکم کریں...... میں آج شام کو ہی چھوٹو کے پاس چلی جاتی ہوں...... آپ پلیز فکر مت کریں، میں تھوڑی دیر تک یہاں سے oxford street کے لیے نکلتی ہوں...... انشاء اللہ اقصم بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔''

''جیتی رہو میری جان......! میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں......؟ میری پریشانی تم نے آدھی ختم کر دی ہے۔'' سمیرا بیگم، مناب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ممنون ہو رہی تھیں۔

''ارے نہیں ممانی...... شکریہ کہہ کر مجھے پرایا مت کریں۔ چھوٹو آخر میرا بھی تو کچھ لگتا ہے...... وہ مجھے بالکل چھوٹے بھائیوں جیسا عزیز ہے۔''

''جیتی رہو بیٹا، اللہ تمہیں خوش رکھے...... اقصم کے پاس پہنچ کر مجھے کال کر لینا۔''

''جی ممانی، آپ فکر نہیں کریں...... میں چھوٹو کے پاس دو دن رہوں گی تو وہ بالکل ٹھیک ہو جائے۔'' مناب نے انہیں تسلی دی۔

''اوکے بیٹا، اب کچھ... تسلی ہو گئی ہے اچھا میں فون رکھتی ہوں...... انشاء اللہ رات کو بات ہو گی۔'' سمیرا بیگم نے فون بند کیا تو مناب کمرے میں چلی آئی اور ایک بار پھر لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھ گئی۔

''بڑی لمبی کال تھی پاکستان سے...... خیریت تو تھی؟'' دوسری طرف ولی ہاتھ میں کافی کا مگ پکڑے کافی پی رہا تھا۔

''ہاں...... بس ایک پرابلم ہو گئی ہے۔''

''کیسی پرابلم......؟''

''ممانی بتا رہی تھیں کہ اقصم بہت بیمار ہے...... چار پانچ دن سے میرا ابھی اس سے کوئی رابطہ نہیں ہوا...... ممانی مجھ سے ریکوئسٹ کر رہی تھیں کہ میں جا کر چھوٹو کو دیکھوں اور یہ ویک اینڈ اسی کے پاس گزاروں...... چھوٹو ہم سب کا لاڈلا جو ٹھہرا......''

''او کے...... پھر کب جاؤ گی؟'' ولی کا کھنکتا ہوا لہجہ ایک دم سنجیدگی میں بدل گیا تھا۔

''ظاہر ہے چھوٹو بیمار ہے تو ابھی ہی جاؤں گی ناں......'' مناب نے بے پروائی سے جواب دیتے ہوئے قریب رکھا اپنا شولڈر بیگ اپنی جانب کھسکایا۔

''او کے پھر تم جاؤ...... مجھے بھی ایک دوست کی طرف جانا ہے۔'' ولی کا روکھا پھیکا سا لہجہ مناب کو چونکا گیا۔

''ولی کیا ہوا......؟ تم خفا ہو کر کہہ رہے ہو مجھ سے؟''

''نہیں، میں کیوں خفا ہوں گا تم سے۔'' ولی نے کافی کا مگ ایک سائڈ پر رکھتے ہوئے عام سے لہجے میں جواب دیا تو مناب کا دل بے چین سا ہو گیا۔

''ولی جن سے محبت کی جائے ان سے جھوٹ نہیں بولا کرتے۔''

''نہیں، میں جھوٹ نہیں بول رہا......'' ولی نظریں چرا گیا۔

''میرا یوں چھوٹو کے پاس جانا تمہیں اچھا نہیں لگا ناں......؟''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے مناب...... تمہیں پتا ہے کہ میں ایک لبرل انسان ہوں مجھے ایسی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... دراصل میں اور زری آپا کل دوپہر کی فلائٹ سے لندن آ رہے تھے۔ ہماری انگیجمنٹ پہ بھی زری آپا اپنی بیٹی سوہا کے اینول ایگزامز کی وجہ سے نہیں آ سکی تھیں...... میں نے سوچا کہ اگلے مہینے تم واپس پاکستان چلی جاؤ گی...... سو آپا اور میں دو چار دن تمہارے ساتھ گزارنا چاہتے تھے......'' ولی نے تفصیل سے اسے اپنا پلان بتایا تو مناب کا دل اداس ہو گیا۔

''oh I am sorry ولی اگر چھوٹو کی بیماری کا پرابلم نہیں ہوتا تو یقین کرو میں کبھی نہیں جاتی......''

"its ok sweetheart" ولی مسکرا دیا۔

''تم ریلیکس ہو کر چھوٹو کے پاس جاؤ۔''

''تھینکس ولی، سچ میں، تم بہت اچھے ہو......'' مناب نے تشکرانہ لہجے میں اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

''او کے، تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔'' ولی ہنس دیا۔

''تم میری طرف سے زری آپا کو سلام کہنا اور ان سے excuse کرنا واپس آ کر میں خود انہیں کال کروں گی...... اور ہاں اپنا خیال رکھنا......'' مناب نے مسکراتے ہوئے آخری جملہ ادا کیا۔

''جب تم میرے پاس میرے گھر آ جاؤ گی تو خود ہی رکھنا میرا خیال...... مجھ سے اپنا خیال نہیں رکھا جاتا...... سمجھیں تم......!''

ولی کی بات پہ مناب ہنس پڑی۔

''ولی تم کبھی، کبھی بالکل بچے بن جاتے ہو۔''

''بہانے، بہانے سے تمہاری محبت حاصل کرنا اچھا لگتا ہے مجھے......'' وہ والہانہ انداز میں بولا۔

''تم میری زندگی میں آنے والے پہلے اور آخری مرد ہو...... میری محبت پانے کے لیے تمہیں بہانے بنانے کی ضرورت نہیں......''

مناب کے اظہار پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا...... پھر تھوڑی دیر کے بعد ولی سے اجازت لے کر اس نے

شٹ ڈاؤن کردیا تھا۔ اور پھر لیپ ٹاپ کو اٹھا کر واٹر پروف بیگ میں رکھا اور اپنے ہینڈ کیری میں اپنی ضروری چیزیں رکھنے لگی۔

ولی اور مناب کی منگنی کو ایک سال ہی ہوا تھا...... ولی کے والدین حیات نہیں تھے۔ وہ مناب کے مرحوم والد کے دوست کا بیٹا تھا..... ولی کی پہلی ملاقات مناب سے کراچی میں ہی ایک آرٹ گیلری میں ہوئی تھی...... جہاں ولی اپنے کزن کی ایگزیبشن کے سلسلے میں آیا تھا۔ پہلی ہی نظر میں اور پہلی ہی ملاقات میں سنجیدہ سی مناب اس کے دل میں اتر گئی تھی...... پھر مناب سے باقاعدہ منگنی کے بعد ولی اپنی بڑی بہن زری آپا کے پاس پچھلے ایک سال سے امریکا میں specialisation کے سلسلے میں مقیم تھا۔

☆☆☆

ایشال رات نور بیگم کے کمرے میں سوگئی تھی، صبح جب وہ اٹھ کر اپنے اور عنایہ کے مشترکہ روم میں آئی تو باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی..... اس کا مطلب تھا کہ عنایہ شاور لے رہی تھی...... یک دم اس کی نظر عنایہ کے بیڈ کے سائڈ ٹیبل پر پڑی تھی جہاں بہت سے گفٹ بیگز رکھے تھے...... ایشال مسکراتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ کر گفٹ کھول کر دیکھنے لگی...... قیمتی برانڈڈ واچ...... پرفیوم اور عنایہ کی فیورٹ امپورٹڈ چاکلیٹس دیکھ کر ایشال کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوگئی تھی...... ایشال نے واچ اور پرفیوم واپس بیگ میں رکھا اور چاکلیٹس نکال کر کھانے لگی...... اسی دوران باتھ روم کا دروازہ کھلا اور عنایہ ٹاول گاؤن میں ملبوس باہر نکلی تو ایشال کو اطمینان سے بیڈ پر بیٹھے چاکلیٹس کھاتے ہوئے دیکھ کر اس کا پارہ ہائی ہوگیا...... اور وہ ایشال کی جانب لپکی۔

''ایشو یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

''ارے بھئی یہ چاکلیٹس ہیں..... تمہیں نہیں پتا......'' ایشال کے لہجے میں شرارت تھی اور وہ عنایہ کے حملے سے بچنے کے لیے بیڈ پر کھڑی ہوگئی تھی۔

''ایشو تمہیں اجازت کس نے دی میرے پرسنل گفٹس دیکھنے کی اور یہ چاکلیٹس کھانے کی......'' عنایہ چلائی۔

''تو اس میں اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم شروع سے ہر چیز ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کرتے آئے ہیں سو......'' ایشال بیڈ پر کھڑی تھی اور چاکلیٹس اس کے ہاتھ میں تھیں۔

''ایشو میری چاکلیٹس واپس کردو......'' عنایہ جارحانہ انداز میں اس پر جھپٹی...... ایشال دوسری طرف بیڈ سے چھلانگ لگا کر اتر چکی تھی۔

''ویسے بڑے افسوس کی بات ہے محض ان چاکلیٹس کی وجہ سے تم میرے ساتھ یہ سلوک کررہی ہو؟ تمہارا یہ... بی ہیو دیکھ یقیناً اوپر بیٹھے مما اور بابا کی روح بھی تڑپ رہی ہوگی۔'' ایشال نے مصنوعی افسوس سے کہا۔ وہ بھی جان بوجھ کر عنایہ کو تنگ کررہی تھی۔

''بات چاکلیٹس کی نہیں ہے ایشو۔ میں تمہیں ابھی ایسی ہی اور امنگوادوں گی...... جتنی تم کہو گی مگر یہ مجھے واپس کرو......'' عنایہ بیڈ کی دوسری سائڈ سے آئی تو ایشال دوڑ کر کمرے سے باہر نکلنے لگی۔ آج ایشال اسے بھرپور انداز میں چڑا رہی تھی

''تو ان چاکلیٹس میں ایسی کیا خاص بات ہے؟'' ایشال نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

''ہے ان میں خاص بات...... کیونکہ یہ مجھے زاورن نے دی ہیں۔'' عنایہ کا انداز جتانے والا تھا اسے ایشال پر سخت غصہ آرہا تھا۔

ایشال اب کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔

''تو کیا ہوا زارون بھائی، میرے بھی کزن ہیں اور میں ان کی اکلوتی سالی ہوں، سالی جو آدھی گھر والی ہوتی ہے......سمجھ آئی۔''

''ایشو بہت ہوگئی بکواس......جلدی سے میری چاکلیٹس واپس کردو۔ تمہیں اچھی طرح سے پتا ہے کہ میں زارون کا دیا ہوا کوئی بھی گفٹ کبھی کسی تھرڈ پرسن سے شیئر نہیں کرتی ہوں۔''

''نہیں کرتی ہو تو آج کرلو...... میں تمہاری اکلوتی چھوٹی بہن ہوں۔'' ایشال تمام سیڑھیاں تیزی سے پھلانگتے ہوئے نیچے آگئی تھی۔ عنایہ جلدی سے کمرے میں واپس گئی اور کپڑے تبدیل کر کے ہلکے گیلے بال کمر پر پھیلائے اور نیچے چلی آئی۔ ایشال لاؤنج میں کھڑی چاکلیٹ کھا رہی تھی۔

عنایہ بھی تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے لاؤنج میں آگئی......

''اسٹاپ اٹ ایشو......ورنہ بہت برا ہوگا......بس رک جاؤ یہیں۔'' ایشال کو دادو کے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر عنایہ اب غصے کے ساتھ، ساتھ جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی زارون کے ساتھ، ساتھ اس کی دی ہوئی چیزوں سے بھی عشق کیا کرتی......عنایہ نے اگر کسی مرد سے اندھا عشق کیا تھا تو وہ زارون چوہدری تھا جس کی ایک، ایک چیز کے لیے وہ حد سے زیادہ جنونی ہو جایا کرتی تھی۔

''ایشو میں تمہارا بہت برا حشر کروں گی......سمجھیں تم......'' وہ ایشال کے پیچھے دوڑی۔

''دادو پلیز ہیلپ می......عنایہ......کو دیکھیں بس ان چاکلیٹس کی وجہ سے۔'' نور بیگم کے روم میں پھولی سانسوں کے ساتھ داخل ہونے کے بعد ایشال کا جملہ منہ میں ادھورا ہی رہ گیا تھا......بے اختیار چاکلیٹس ایشال کے ہاتھ سے نیچے جا گری تھیں......اگلے ہی لمحے عنایہ بھی ایشال کے پیچھے موجود تھی......دونوں ہی ٹھٹک کر رک گئی تھیں۔

سامنے ڈاکٹر عمر بیٹھے تھے اور نور بیگم کا بی پی چیک کر رہے تھے۔

''السلام علیکم......!'' دونوں نے انہیں جھٹ سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام......!'' انہوں نے ان کی طرف دیکھے بغیر جواب سلام دیا۔

''تم دونوں کیوں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی ہو؟'' نور بیگم کے سوال پر عنایہ مسکرادی۔

''کچھ نہیں دادو......یہ ایشو میری اجازت کے بغیر میری چاکلیٹس کھا رہی تھی۔''

''بھئی حد ہوگئی ہے، تم دونوں کے جھگڑے ہی ختم نہیں ہوتے' اپنے قد دیکھو اور اپنی حرکتیں دیکھو......کیسی بچوں جیسی ہیں......'' نور بیگم نے مصنوعی غصے سے دونوں کو گھورا۔

''دادو قصور ایشو کا ہے۔'' عنایہ بڑبڑائی......ایشال نے اپنے ساتھ کھڑی عنایہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ ایشال کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی کیونکہ ڈاکٹر عمر کی موجودگی میں صحیح کام بھی اس سے ہمیشہ غلط ہو جایا کرتا تھا۔

ڈاکٹر عمر تمام کزنز میں سب سے بڑے تھے الگ تھلگ سے رہنے والے......ٹو دی پوائنٹ بات کرنے والے خاموش طبع......بے حد رعب دار شخصیت کے مالک......ان کے سامنے سب ہی کزنز سوچ سمجھ کر بات کیا کرتے تھے۔

''ایشو نانو کا بی پی صبح تم نے چیک کیا تھا؟'' ڈاکٹر عمر کے سوال پر اس کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا تھا۔

''جج، جی عمر بھائی......دادو کا بی پی لو تھا......'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''تمہارا بی پی آپریٹس کہاں ہے؟'' فوراً ہی اگلا سوال آیا۔

''جی دادو کی الماری میں......''

''لے کر آؤ......'' اگلا حکم ملا۔
وہ مرے، مرے قدموں سے دادو کی الماری سے بی پی آپریٹس نکال کر لے آئی۔
''میرے سامنے ان کا بی پی چیک کرو......'' ایک اور حکم آیا۔ عنایہ نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ گھبرائی ہوئی ایشال کو منہ چڑایا۔ نروس ہوتی ایشال، ڈاکٹر عمر کی موجودگی میں دادو کا بی پی چیک کرنے کی کوشش کرنے لگی۔
''دیکھ لیں دادو کا بی پی لو ہے۔''
''او کے چلو اب اس بی پی آپریٹس سے نانو کا بی پی دوبارہ چیک کرو۔'' ڈاکٹر عمر نے اپنا آلہ ایشال کے آگے رکھا۔
اب ایشال نروس سے انداز میں ان کے بی پی آپریٹس سے دادو کا بی پی چیک کرنے لگی۔
''بی پی ہائی ہے۔'' اب کے وہ منمنائی۔
''اب اپنا بی پی آپریٹس اچھی طرح چیک کرو......''
ایشال نے چیک کیا......تو وہ مزید گڑ بڑا گئی......اس آلے میں کوئی گڑ بڑ تھی......صبح اس نے نور بیگم کا بی پی عجلت میں چیک کیا تھا۔ اور اب اسے افسوس ہو رہا تھا۔ اس کی عجلت اب اسے ڈاکٹر عمر کے سامنے شرمندہ کرنے والی تھی۔
''آئی تھنک یہ خراب ہے......'' ایشال نے سر جھکا لیا......''میں نے شاید صبح جلدی میں چیک کیا تھا۔'' ڈاکٹر عمر نے اب اسے غصیلے انداز میں دیکھا......ایشال کے لہجے میں بھی شرمندگی تھی اور انداز میں بھی۔
''نانو مجھے تو آج تک یہ بات سمجھ نہیں آسکی کہ اس نالائق لڑکی نے ایم بی بی ایس کر کیسے لیا......؟ محترمہ کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کا بی پی آپریٹس ٹھیک ہے یا خراب......نانو ویسے آپ سب نے اسے ڈاکٹر بنا کر ان بیچارے مریضوں کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے جو مستقبل قریب میں اس کے ہتھے چڑھنے والے ہیں جو انسان اپنے پیشے سے مخلص نہ ہو وہ انسان کسی اور کے ساتھ کیا مخلص ہوگا۔''
''شکر ہے کہ میں نے وہ دوا نہیں کھائی جو ایشو نے بی پی لو ہونے کی صورت میں مجھے دی تھی۔'' نور بیگم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کے انداز میں شکر ادا کیا......عنایہ نے بہ مشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔
''بدقسمتی سے اگر ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کر چکی ہو تو اس پیشے کو مخلصانہ طور پر قبول کرو......انسانی جان بہت قیمتی ہوتی ہے جسے ایک ڈاکٹر اپنے تجربات کی نذر نہیں کر سکتا......سمجھ لو اس بات کو شاید کہیں تمہارے کام آجائے۔ ویسے مجھے بھی دکھاؤ وہ دوا ہے کون سی؟''
ایشال سر جھکائے ڈاکٹر عمر کا لیکچر سن رہی تھی۔ دوا دکھانے کی بات پر اس کی سٹی گم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

مناب جب اپنے فلیٹ سے باہر نکلی تو آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے اور ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی......اس کے ایک ہاتھ میں ہینڈ کیری تھا جس میں اس کی ضروری چیزیں موجود تھیں ایک کندھے پر اس نے لیپ ٹاپ والا بیگ لٹکا رکھا تھا اور اسی ہاتھ میں اس نے بارش سے بچنے کے لیے چھتری بھی پکڑ رکھی تھی۔

اسے piccadilly tube station جانا تھا۔ جب وہ اسٹیشن پر پہنچی تو بارش تیز ہو چکی تھی، فلیٹ سے نکلتے ہوئے مناب' فاریہ کے موبائل پر وائس میسج چھوڑ آئی تھی کہ وہ آکسفورڈ اسٹریٹ اقصم کے پاس

جا رہی ہے۔۔۔۔۔۔اور یہ کہ وہ یہ ویک اینڈ وہیں گزارے گی۔ بالآخر وہ اپنی مطلوبہ tube میں بیٹھ گئی۔ تقریباً 60 miles کا یہ سفر پونے گھنٹے میں طے ہو گیا تھا۔ مناب جب۔۔۔۔۔۔ oxford circus underground station سے باہر نکلی تو سرد ہواؤں اور بارش کی ہلکی بوندا باندی نے اس کا استقبال کیا تھا وہاں سے ٹیکسی کے ذریعے جب وہ اقصم کے اپارٹمنٹ تک پہنچی تو رات کے ساڑھے سات بج چکے تھے۔

ابھی وہ اپارٹمنٹ کی چوتھی سیڑھی چڑھ کر دروازے کی طرف بڑھنے والی تھی کہ اپارٹمنٹ کا مین ڈور کھلا اور تقریباً چوبیس پچیس سال کا ایک نوجوان لڑکا باہر نکلا۔۔۔۔۔۔مناب کو دیکھتے ہی جیسے وہ اسے پہچان گیا تھا۔

''یقیناً آپ مناب ہیں؟'' وہ لڑکا پاکستانی تھا اسی لیے بڑے دوستانہ انداز میں اس نے اردو میں پوچھا تھا۔

''جی۔۔۔۔۔۔اور آپ یقیناً جنید ہیں؟''

''جی، آپ نے بالکل ٹھیک سمجھا۔۔۔۔۔۔لائیں میں آپ کا سامان اندر رکھ دوں۔'' جنید نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہینڈ کیری پکڑ لیا۔

''تھینکس۔۔۔۔۔۔'' مناب اس کے پیچھے چلتی اپارٹمنٹ کے اندر آ گئی۔ بلاشبہ اقصم کا اپارٹمنٹ بہت شاندار اور لگژری تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا، وہ ایک ہائی فائی فیملی کا چشم و چراغ تھا۔۔۔۔۔۔جس چیز کی خواہش کرتا وہ پوری کی جاتی تھی جنید نے لاؤنج میں اس کا ہینڈ کیری رکھا اور اسے صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔

''آپ بیٹھیے، میں آپ کے لیے کافی بناتا ہوں۔''

''ارے نہیں جنید۔۔۔۔۔۔اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے جب پینی ہوگی میں خود بنالوں گی۔'' وہ صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

''ویسے آپ نے بہت اچھا کیا آپ یہاں آ گئیں، اقصم کو آپ کی ضرورت تھی فی الحال تو وہ اسٹوپڈ آدمی سو رہا ہے، میں نے اسے چھ بجے میڈیسن کھلا دی تھی اگر وہ اٹھ گیا تو گیارہ بجے اسے دوبارہ میڈیسن دے

دیجیے گا۔''
''او کے ڈونٹ وری..... ویسے یہ اچانک اسے اتنا ٹمپریچر کیسے ہو گیا؟'' مناب نے لاؤنج کے صوفے پر اقصم کے بکھرے ہوئے کپڑے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''دراصل پچھلے کئی دنوں سے یہاں موسم بہت سرد تھا، اسنو فالنگ بھی ہوئی اور یہ محترم ایسے موسم میں roller skating کرتے رہے جس کا نتیجہ اگلی صبح اسے شدید بخار کی صورت میں بھگتنا پڑا۔''
''یہ لڑکا بالکل پاگل ہے۔'' مناب نے جنید کی بات کا جواب دیا تو جنید مسکرایا۔
''نہ صرف پاگل ہے، الو بھی ہے بلکہ ضدی بھی ہے اور میری بات تو بالکل نہیں مانتا۔'' جنید کی بات پر وہ بے ساختہ مسکرائی۔
جنید کا دل چاہا کہ وہ مناب کو بتائے کہ اقصم نے اس کی جتنی تعریفیں کر رکھی تھیں وہ ان تعریفوں سے کہیں زیادہ خوب صورت تھی۔
''او کے، اب مجھے اجازت دیں۔ میں اپنے پاگل دوست کو آپ کے حوالے کر رہا ہوں، امید ہے وہ ایک دو دن میں نارمل ہو جائے گا۔'' جنید مسکراتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
''او کے ایز یو وِش.....'' مناب بھی دھیرے سے مسکرا دی۔ جنید اسے ایک دلچسپ اور رونقی سا لڑکا لگا۔
اس کے جانے کے بعد مناب نے اپارٹمنٹ کا دروازہ لاک کیا۔ اپنا کوٹ اور لانگ شوز اتار کر وہ اقصم کے روم میں آ گئی۔ اقصم، مناب سے چار سال چھوٹا تھا اور مناب اسے بالکل اپنے چھوٹے بھائی کی طرح ڈیل کرتی تھی۔ کبھی شفقت سے، کبھی لاڈ سے اور کبھی رعب سے..... بخار کی وجہ سے اقصم بیڈ پر بے سدھ پڑا سو رہا تھا اس کا چہرہ کملایا ہوا تھا۔
مناب پریشانی کے عالم میں بیڈ کے قریب آ گئی تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر آہستہ سے اقصم کے ماتھے پر رکھا..... اسے اب بھی تیز بخار تھا۔ مناب نے اس کے روم پر ایک نگاہ دوڑائی۔ روم کے صوفے پر ٹاول اور چند کپڑے بکھرے پڑے تھے۔ جا بجا کچھ برتن..... چائے، کافی کے مگ اِدھر اُدھر رکھے ہوئے تھے۔ مناب اس کی چیزیں سمیٹنے لگی۔ اقصم کے کپڑے اس کی الماری میں رکھنے کے بعد برتن اٹھا کر اس نے کچن کے سنک میں لا کر رکھے اور پھر اپنے لیے کافی بنانے لگی۔ اس دوران اس نے فریج کھول کر دیکھا۔ چند سبزیاں اور چکن کے پیکٹس نکال کر اس نے شیلف پر رکھے اور خود کچن میں دو سیٹرز کی ڈائننگ ٹیبل کی چیئر پر بیٹھ کر کافی پینے لگی۔

☆☆☆

سارہ کالج کے گیٹ سے باہر نکلی تو پک کرنے آنے والوں کا جم غفیر سامنے موجود تھا۔ کئی موٹر سائیکل..... کئی گاڑیاں..... اور مختلف رکشے، ویز موجود تھیں۔ کئی لوگ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو لینے کالج کے گیٹ کے باہر کھڑے تھے اور کچھ لڑکے صرف لڑکیوں کو تاڑنے کے لیے وہاں کھڑے تھے۔ سارہ نے سکھ کی سانس لی۔ آج وہ بائیک والا لڑکا گیٹ کے پاس موجود نہیں تھا۔ وہ سر جھکائے پیدل چلنے والی لڑکیوں کے گروپ میں شامل ہو کر چلنے لگی تھی۔ راستے میں کہیں نہ کہیں..... کسی نہ کسی گلی، محلے میں لڑکیاں اپنے، اپنے گھروں کو روانہ ہوتی گئیں۔ اب سارہ اکیلی رہ گئی تھی ابھی گھر پہنچنے تک اسے تین گلیوں کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ شدید گرمی اور دھوپ کی وجہ سے سڑک قدرے سنسان تھی۔ وہ تیز، تیز قدموں سے گھر کی جانب بڑھ رہی تھی کہ اچانک اسے اپنے پیچھے آنے والی بائیک اور اس کے مخصوص ہارن نے چونکا دیا۔ سارہ نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

(جاری ہے)